خدا پر ایمان لائے بغیر چارہ نہیں

پروفیسر سید محمد سلیم صاحب

نوعِ انسانی کی دیرینہ خواہش یہ ہے کہ دنیا میں ایسا معاشرہ قائم ہو جہاں ہر طرف عدل و انصاف ہو، جہاں اخوت و محبت ہو، جہاں راحت و آرام ہو۔ شاعر اپنے اشعار میں اور فلسفی اپنے افکار میں اس موعودہ جنت کا نقشہ مختلف انداز میں کھینچتے رہتے ہیں۔ گذشتہ صدی میں یورپ کے دانشوروں نے دعویٰ کیا کہ معاشرہ سے استحصال کا خاتمہ ہو جائے تو عدل و انصاف بھی قائم ہو سکتا ہے اور راحت و آرام بھی حاصل ہو سکتا ہے، البتہ استحصالی قوتوں کو متعین کرنے میں اختلافات ہیں۔ کارل مارکس (۱۸۸۳ء — ۱۸۱۸ء) کا دعویٰ ہے کہ سرمایہ داری وجہِ استحصال ہے — گوبینو (۱۸۶۲ء — ۱۸۱۶ء) کا دعویٰ ہے کہ ایک قوم اور ایک نسل دوسری قوم اور دوسری نسل کا استحصال کرتی ہے۔

روس میں گذشتہ ستر سال سے کارل مارکس کے فلسفہ کے مطابق ایک ریاست اور ایک معاشرہ قائم ہے۔ اس امر سے صرفِ نظر کر بھی لیا جائے کہ اس ریاست کے قیام میں اور استحکام میں بنی آدم کا کس قدر خون بہایا گیا ہے اور وہاں کس قدر جابرانہ نظام نافذ ہے، تب بھی یہ بات واضح ہے کہ وہاں نہ عدل و انصاف ہے اور نہ راحت و آرام۔ آئے دن وہاں کے بڑے بڑے عہدہ داران وہاں سے بھاگ کر امریکہ میں پناہ لیتے رہتے ہیں۔ خالص نسل کی حکومت ہٹلر (۱۹۴۵ — ۱۹۳۴ء) نے نازی جرمنی میں قائم کی تھی اور جنوبی افریقہ میں ۱۹۱۰ء سے قائم ہے۔ نوعِ انسانی پر جو مظالم ان ریاستوں میں ہوئے ہیں، ان سے ساری دنیا چیخ اٹھی۔

لیکن مارکس کے حامی کہتے ہیں کہ رُوس میں مارکس کے نظریہ کو پوری طرح عمل پیرا ہونے کا موقع نہیں ملا، بلکہ لینن اور اسٹالن نے اس میں مَن مانی ترمیمات کر ڈالیں، اس لیے خالص نظری اعتبار سے مارکس کا فلسفہ ناکام نہیں ہوا۔ اور یہی بات خالص نسل پرست بھی کہتے ہیں۔

اس لیے نظری اعتبار سے گفتگو کرنے کے لیے ہم فرض کر لیتے ہیں کہ دُور سمندر میں ایک جزیرہ ہے۔ وہاں مارکس کے فلسفہ کے مطابق ایک ریاست قائم ہے۔ وہاں سرمایہ داری کا خاتمہ ہو چکا ہے۔ وہاں طبقہ واریت کا خاتمہ ہے۔ وہاں مساواتِ کلی قائم ہے۔ استحصال کا نام و نشان بھی نہیں ہے۔ وہاں کے رہنے والے ہر فرد کو چند ایکڑ زمین کاشت کے لیے دی گئی ہے۔ ایک گائے دُودھ پینے کے لیے دی گئی ہے۔ ایک مکان رہنے کے لیے دیا گیا ہے۔ ہر ایک کے پاس ایک بیوی ہے۔ غرض کہ ان کو تمام ضروریاتِ زندگی میسر ہیں اور کامل مساوات قائم ہے۔ مارکس کی یہ مزعومہ جنت ہے۔ یہ جنت اس بنیاد پر قائم کی گئی ہے کہ انسان ایک حیوان ہے۔ اور حیوان کی ساری ضروریات جب مہیا کر دی گئیں تو پھر وہ کیوں لڑیں گے۔ دراصل غلطی کی جڑ یہی تصور ہے۔

بہرکیف مارکس کی اس جنت میں لڑائی جھگڑے ختم نہیں ہوں گے۔ ایک شخص کہے گا کہ دوسرے کی زمین زیادہ زرخیز ہے اس پر قبضہ کرنا چاہیے۔ دوسرا کہے گا کہ پڑوسی کی گائے زیادہ دُودھ دیتی ہے اُس کو حاصل کرنا چاہیے۔ تیسرا شخص کہے گا کہ فلاں شخص کی بیوی زیادہ حسین ہے، زیادہ سلیقہ مند ہے۔ اس سے شادی ہو جائے تو زندگی مزے سے گزرے گی۔ اس کے بعد مذکورہ بالا اشخاص اپنا مقصود حاصل کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دیں گے۔ جائز و ناجائز تمام وسائل اور طریقے اختیار کریں گے۔ تصادم ہوگا، جھگڑا ہوگا۔ کوئی بتائے کہ مارکس اور اس کے پیروؤں کے پاس کون سا ذریعہ ہے جس کے استعمال سے وہ اس سوچ پر پابندی عاید کریں اور اس نوع کے جھگڑوں کی بیخ کنی کریں، اور خرابی کے سرچشمہ کو بند کریں۔

جتنی بھی قانونی اور انتظامی کارروائی ہوتی ہے اور ہوسکتی ہے وہ سب وقوعہ فعل کے بعد ہوتی ہے جس سے بچ نکلنے کے ہزاروں راستے ہیں۔ سب سے کامیاب طریقہ تو رشوت ہے۔ مادی انسان کی ایک قیمت ہوتی ہے۔ سو، ہزار، لاکھ۔ بہرحال کسی نہ کسی قیمت پر وہ بِک جائے گا۔ ورنہ

پھر شراب اور عورت یا کوئی عہدہ پیش کرنے پر تو وہ موم بن جائے گا۔ معلوم ہوا کہ مارکس کے فلسفہ کے تحت نہ عدل و انصاف قائم ہو سکتا ہے، نہ جھگڑے ختم ہو سکتے ہیں، نہ ظلم و جور ختم ہو سکتا ہے۔

اب فرض کیجیے کہ ایک جزیرہ میں ایک نسل کے لوگ ہیں، سب ایک ہی قوم ہیں، ایک ہی زبان بولنے والے ہیں۔ نہ دوسری قوم ہے وہاں نہ دوسری زبان ہے۔ کوئی غیر ان کا استحصال نہیں کر رہا ہے۔ ایک ہی نسل کا معاشرہ ہے، ایک ہی نسل کی حکومت ہے۔ اوپر کی مثال میں جس طرح بُرائی کا آغاز ہوا۔ کیا یہاں نہیں ہوگا؟ دوسرے کی زمین اور دوسرے کی بیوی پر قبضہ کرنے سے لوگ باز آجائیں گے، صرف اس لیے کہ وہ ایک ہی نسل کے افراد ہیں، اور ایک ہی زبان بولتے ہیں۔ ایسے سینکڑوں قبائل دُنیا کے مختلف خطوں میں آباد ہیں، کیا وہاں جھگڑے بلکہ قتل و غارت گری نہیں ہوتی؟ کیا وہاں اغوا کے واقعات نہیں ہوتے؟ اس سے معلوم ہوا کہ ایک قوم، ایک نسل اور ایک زبان کا دعوٰی کرنے والے بھی غلط سوچ میں مبتلا ہیں۔ بُرائی کے سرچشمہ کو بند نہیں کر سکتے۔

فیضانِ سماوی کے منکر اور انسان کو محض ایک حیوان تصور کرنے والی مغربی تہذیب کے دانشوروں نے جب حیوانی دُنیا کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ حیوان کے لیے تین محرکاتِ عمل ہیں:
۱۔ چارہ کی تلاش ۲۔ شہوت رانی ۳۔ لڑ جھگڑ کر ہم جنسوں پر برتری ثابت کرنا۔ اس لیے کارل مارکس نے انسان کا اصل مسئلہ شہوتِ شکم کو قرار دیا۔ فرائڈ نے شہوتِ جنسی کو قرار دیا اور ایڈلر نے اصل مسئلہ انسان کی خواہشِ خود افرازی اور استکبارِ نفس کو قرار دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کا اصل مسئلہ نہ شکم ہے، نہ جنس ہے، نہ خود افرازی ہے۔ مغرب نے جب ڈارون کے نقطۂ نظر کو قبول کر لیا اور انسان کو محض ایک حیوان مان لیا تو پھر ان کی ذہنی پرواز یہیں تک ہو سکتی ہے۔ اس وقت سے مغرب کی توجہ اصل مسئلہ کی طرف سے ہٹ گئی۔ عالمِ انسانیت کا سب سے عام، سب سے زیادہ بنیادی مسئلہ اختیارات اور اقتدار کا غلط استعمال ہے۔ انسان کے خلیفہ بننے کا اعلان سُن کر فرشتوں نے اس اہم مسئلہ کی طرف توجہ دلائی تھی کہ انسان اختیارات کا غلط استعمال کرے گا اور دُنیا میں فساد اور خوں ریزی پھیلائے گا۔ اوّل روز سے آج تک انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی انسان کا بنیادی مسئلہ یہی ہے۔ دُنیا جہاں

کی ساری خرابیوں کی جڑ اختیارات کا غلط استعمال ہے۔

ایک چپڑاسی جس کا کام بس اس قدر ہے کہ آنے والے ملاقاتیوں سے چٹ وصول کرے اور اسی ترتیب سے وہ اندر لے جا کر صاحب کے پاس پیش کر دے۔ وہ رشوت لے کر کسی کی چٹ آگے کر دیتا ہے اور کسی کی پیچھے۔ اس کے پاس نہایت حقیر سا اختیار ہے مگر اس میں بھی وہ تصرف کرتا ہے اور غلط استعمال کرتا ہے۔ عدالت کا سپاہی طلبانہ سمن لے کر کسی دیہاتی کے پاس جاتا ہے، مگر وہاں سے مرغی، انڈا، مکھن کھا کر واپس آتا ہے۔ اختیارات کا استعمال غلط کرتا ہے۔ حکومت کی ساری مشینری اختیارات کا غلط استعمال کرتی ہے۔ چپڑاسی سے لے کر بڑے سے بڑے ذمہ دار عہدہ دار تک۔ ایک زمانے میں اخبارات میں یہ بات شائع ہوئی تھی کہ سکندر مرزا صدر پاکستان قاسم بھٹی اسمگلر سے لاکھوں روپے رشوت وصول کرتا ہے۔ انفرادی سطح کے علاوہ اجتماعی سطح پر غلط فیصلے کرتے ہیں۔ قانون ساز اسمبلیاں غلط ضابطے اور غلط قانون بناتی ہیں۔ ایک گروہ، ایک طبقہ اور بعض دفعہ ایک فرد کو فائدہ پہنچانے کے لیے حکم نافذ کر دیا جاتا ہے۔ یہ اختیارات کا غلط استعمال ہے۔

عام شہری سطح پر اور نجی سطح پر اختیارات کا غلط استعمال ہے۔ ایک شوہر اپنی بیوی کے ساتھ ظلم کرتا ہے۔ چچا بھتیجے کے ساتھ ظلم کرتا ہے۔ ماں سوتیلے بچے کے ساتھ ظلم کرتی ہے۔ یہ ایسے امور ہیں جن کا ثبوت فراہم کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ ایک افسر اپنے ماتحتوں کے ساتھ ظلم کرتا ہے۔ ایک ڈاکٹر اپنے مریضوں کے ساتھ ظلم کرتا ہے، دھوکہ دیتا ہے، ناجائز رقم وصول کرتا ہے۔ غرضیکہ جہاں کہیں انسان کا انسان سے واسطہ ہے، سابقہ ہے، ایک صاحبِ اختیار ہے، دوسرا زیردست ہے، وہاں ظلم کے مواقع موجود ہیں، وہاں ظلم ہو رہا ہے۔ اختیارات کے غلط استعمال کی مثالیں اس قدر ہیں کہ ان کا احاطہ کرنا ناممکن ہے۔

اہلِ مغرب کے پاس ان خرابیوں اور برائیوں کا کوئی علاج نہیں ہے۔ نہ سوشلزم میں، نہ اشتراکیت میں، نہ قوم پرستی میں، بلکہ ان بیچارے دانشوروں کو تو اصل فساد کے سرچشمہ کی بھی خبر نہیں ہے۔ اس کا علاج صرف اور صرف اسلام کے پاس ہے۔

اسلام اس بنیادی تصور کو نہیں تسلیم کرتا کہ انسان محض ایک حیوان ہے۔ اسلام کے نزدیک

انسان ایک رُوحانی ہستی ہے۔ یہ جسم اس کو بطور آلہ کے دیا گیا ہے، تاکہ رُوح اپنی کارکردگی کا اظہار کر سکے۔ اسلام اس بات کو بھی نہیں تسلیم کرتا ہے کہ انسان دُنیا میں چرنے چگنے اور مزے اڑانے کے لیے آیا ہے اور مرنے کے بعد مٹی میں مل کر مٹی ہو جائے گا، جیسا کہ اہلِ مغرب کا تصور ہے، خواہ اس صراحت سے وہ اس کا اظہار کریں یا نہ کریں۔ اسلام کے نزدیک انسان دُنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ یہ دُنیا اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ خلیفہ کا کام اب یہ ہے کہ وہ اس کی ترقی اور آبادکاری میں کوشاں ہو۔ یہاں فساد اور خونریزی نہ ہونے دے۔ اس کارگزاری میں ہی اس کی آزمائش ہے، اس کا امتحان ہے۔ اس حُسنِ کارکردگی کی خاطر اسے علم دیا گیا ہے۔ اس کو اقتدار اور اختیار دیا گیا ہے۔ فطرت کی قوتیں اس کی مطیع فرمان بنا دی گئی ہیں۔ مرنے کے بعد اس کے ریکارڈ کا محاسبہ ہو گا۔ حُسنِ عمل پر انعام ملے گا اور بد اعمال کی سزا ملے گی۔

ذرا تقابل کیجیے۔ ایک وہ انسان ہے جو مغربی دانشوروں کا ساختہ پرداختہ ہے، جو شُترِ بے مہار ہے۔ وہ فیل بدست ہے، من موجی ہے، سیلانی ہے۔ جس نے دُنیا میں شر و فساد پھیلا دیا ہے۔ نسلِ انسانی کی تباہی کا خطرہ (جوہری بم) سر پہ منڈلا رہا ہے۔ جس نے اس کے مفکروں اور دانشوروں کی نیندیں حرام کر دی ہیں۔ بلاشبہ وہ آسمان پر اُڑ رہا ہے اور زمین کا سینہ چیر رہا ہے۔

دوسری طرف قرآن کا خلیفۃ اللہ ہے، جس کا خدا پر ایمان ہے، جس کا آخرت پر یقین ہے۔ وہ آخرت میں ہونے والے محاسبہ سے خائف ہے، اس لیے وہ محتاط زندگی بسر کر رہا ہے۔ وہ اختیارات کا غلط استعمال نہیں کرتا۔ وہ حدود سے تجاوز نہیں کرتا۔ یہ وہ طرزِ حیات ہے جس کو قرآن کی اصطلاح میں تقویٰ کہتے ہیں۔ تقویٰ کے دو رُخ ہیں۔ داخلی طور پہ تو یہ خدا کا خوف ہے، آخرت کا خوف ہے اور خارجی طور پہ یہ ضبط و تحمل ہے، اور خود انضباطی (SELF CONTROL) ہے۔ متقی حکمران ہو گا تو اختیارات کا غلط استعمال نہیں کرے گا۔ سرکاری رقم کے چراغ کو بیوی سے بات چیت میں صرف نہیں کرے گا۔ عبا کے لیے حاصل کردہ زائد چادر کا حساب برسرِ عام مسجد میں دے گا۔ متقی خزانچی ہو گا تو وہ پیشگی تنخواہ طلب کرنے پر خلیفہ وقت کو انکار کر دے گا۔ متقی خلیفہ ہو گا تو دمشق کی تعمیر شدہ مسجد کے

نصف ناجائز حصّہ کو عیسائیوں کو واپس کر دے گا۔ وہ خدا سے ڈرتا ہے۔

دُنیا میں عدل و انصاف، امن و سکون صرف اللہ کے بندے قائم کر سکتے ہیں۔ ہر قسم کے ظلم و ستم کا خاتمہ اللہ کے متقی بندے کر سکتے ہیں۔ تاریخِ انسانی یہ سبق سکھاتی ہے کہ بجز نبیوں کی رہنمائی کے دَور کے دوسرے تمام ادوار میں ظلم و ستم ہوتا رہا ہے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کے آدم ثانی حضرت نوح علیہ السلام کو آغاز میں ہی بتا دی تھی:

ان اعبدوا اللہ واتقوہ واطیعون۔ (نوح - ۳)

(اے لوگو!) اللہ کے بندہ بن کر رہو اللہ سے تقویٰ اختیار کرو اور اللہ کی اطاعت کرو۔)

خوف آخرت پر ایمان کے علاوہ اور دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے جو انسان کو اختیارات اور اقتدار کے غلط استعمال سے روک سکے۔ جو انسان کو ضبطِ نفس پر عامل بنا سکے۔ انسان کی حقیقی صلاح و فلاح صرف اسلامی نظامِ حیات کے ساتھ وابستہ ہے۔ آخرت پر ایمان کے بغیر دُنیا میں عدل و انصاف قائم نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (آلِ عمران - ۱۹)

نظامِ حیات اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔